باب الفتاوی

سیلاب زدہ اشیاء کی ملکیت کا مسئلہ

بلال احمد مفتی جمعیت اہل حدیث بلتستان

سوال: **سیلاب میں بہہ جانے والے اشیاء کی ملکیت سے متعلق شرعی حکم واضح فرمائیں، جن لوگوں نے ایسی چیزوں پر قبضہ کرلیا ہے یا سیلاب زدگان سے خرید لیا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟**

جواب: الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی جمیع من والاہ

اللہ پاک کا فرمان ہے: ﴿ **وبلوناهم بالحسنات والسيئات لعلهم يرجعون** ﴾ [الاعراف] یعنی اللہ تعالی اپنے بندوں کو سہولتوں اور مشقتوں سے آزماتے ہیں تاکہ وہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہوئے گناہوں کو چھوڑ دیں، اور ایمان واستقامت کی راہ اختیار کریں۔

حالیہ دنوں میں نالہ کورو سے سیلابی تودوں کے گرنے اور دریائے شیوک کا رخ پھیر دینے کی وجہ سے بہہ جانے والی عمارتی لکڑیاں اور درخت ان چیزوں کے اصل مالکان کی ملکیت ہیں۔ انہیں بہتے پانی سے نکال کر ان سیلاب زدگان کی قیمتی املاک کو ضائع ہونے سے بچانا ایک اہم انسانی فریضہ تھا، جنہوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر یہ ذمہ داری اس نیت سے ادا کی، اللہ پاک انہیں اس کار خیر کا خوب اجر وثواب عنایت فرمائیں گے۔ اور جنہوں نے یہ کام دنیاوی منفعت کی خاطر انجام دیا، انہیں اس پر مشقت کام پر معاوضہ لینے کا حق حاصل ہے، لیکن ان کے لیے اپنی محنت کے بل بوتے پر ان چیزوں پر مالکانہ قبضہ جمانا جائز نہیں۔ کیونکہ ان اشیاء کے مالکان محدود اور معین ہیں، نقصان زدگان ومتاثرین واضح ہیں۔

جن لوگوں نے ایسی چیزوں کو اپنی تحویل میں لے رکھا ہے، ان کا قبضہ باطل ہے۔ اور جن لوگوں نے ان چیزوں کی خرید وفروخت کی ہے، ان کا بیع بھی شرعاً کالعدم ہے۔ اس حکم شرعی سے صرف وہ چیزیں مستثنیٰ ہیں، جن پر ان کے حقیقی مالکان نے واضح قرائن کی بنیاد پر پہچان کر قبضہ کیا ہو یا فروخت کردیا ہو۔

اس کے علاوہ تمام قبضے اور بیع وشراء سب باطل وکالعدم ہوں گے۔ اور اہل حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ ایک قابل اعتماد کمیٹی تشکیل دے کر اس قسم کی فروخت شدہ اور قبضہ شدہ تمام چیزوں کی فہرست مرتب کرکے ان کی کالعدم قیمتیں واپس دلائیں اور ان چیزوں کو یا ان کی مناسب قیمت لگا کر ان رقوم کو نقصان زدگان میں ان کے نقصانات کے تناسب سے تقسیم کرنے کا معقول بندوبست کریں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

❀❀❀❀❀❀❀

عقیدہ توحید

عقیدہ تقدیر اور اس کے ثمرات

میاں انوار اللہ

کفار کا تقدیر کو جھٹلانا:

﴿یقولون هل لنا من الامر من شئ قل ان الامر كله لله يخفون في انفسهم ما لا يبدون لك يقولون لو كان لنا من الامر شئ ما قتلنا هٰهنا قل لو كنتم في بيوتكم لبرز الذين كتب عليهم القتل الىٰ مضاجعهم﴾ [آل عمران: ۱۵٤] ''وہ پوچھتے ہیں: آیا اس معاملے میں ہمارا کوئی عمل دخل ہے؟ آپ کہہ دیں کہ جملہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، یہ لوگ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر اس معاملے میں ہمارا کچھ دخل ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ کہیے اگر تم اپنے گھروں میں رہتے، تب بھی جن کے لیے مرنا مقدر ہو چکا تھا، وہ یقیناً مقتل کی طرف خود بخود نکل پڑتے۔''

یہ بات منافقین نے جنگ احد کے موقع پر خوف اور بزدلی کی وجہ سے کی تھی۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے: حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ (عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک) نے کہا: ''میں جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، اور دشمن کا زبردست خوف تھا۔ اچانک ہم پر نیند کی سی کیفیت طاری ہوگئی، اور ہم میں سے ہر مجاہد کی ٹھوڑی غلبہ نیند کی وجہ سے اپنے سینے سے لگ گئی۔''

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ حلفیہ بیان کرتے ہیں: ''واللہ میں نے منافق متعب بن قشیر کو مندرجہ بالا بات کہتے سنا۔ چنانچہ اسی پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی'': ﴿الذين قالوا لاخوانهم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا قل فادرء وا عن أنفسكم الموت ان كنتم صٰدقين ۞﴾ [آل عمران ۱٦٨] ''یہ وہ لوگ ہیں جو خود پیچھے بیٹھے رہے اور اپنے بھائی بندوں سے کہنے لگے ''اگر ہمارا کہا مانتے تو وہ مارے نہ جاتے'' کہہ دیجئے: اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو اپنے آپ سے موت کو ٹال کر دکھلا دو''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے واقعے کا نقشہ یوں کھینچا: ''جنگ احد میں ہم دشمنوں کے مقابلے میں صف آرا تھے کہ ہم پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ میری تلوار بار بار ہاتھ سے گرتی اور میں اسے بار بار اٹھاتا تھا۔ اور منافقین کا یہ عالم تھا کہ صرف اپنے بچاؤ کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ ساری فوج میں زیادہ ڈرپوک اور حق وانصاف کو

پامال کرنے میں پیش پیش یہی لوگ تھے۔ یہ اللہ کریم کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا تھے۔ منافقین کا یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہوکر رہ گیا تھا۔" [الترمذی: ۵/۲۱۳]☆

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: احد کے موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مسلمانوں سے علحدہ ہوکر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: "یدع رأیی ورأیه وأخذ برأی الصبیان" "دیکھئے نہ تو اپنی بات پر عمل کیا اور نہ میری بات کو تسلیم کیا، بلکہ بچوں کی رائے کو اولیت دی۔" اس یاوہ گوئی سے بہت سے سادہ لوح لوگ اس کے ساتھ ہو گئے جو منافق نہ تھے۔

منکرین تقدیر کو اللہ تعالیٰ کا جواب:

﴿این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة﴾ [سورۃ النساء :۷۸] "جہاں کہیں بھی تم ہو، موت تمہیں آ ہی لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ۔" ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ [آل عمران: ۱۸۵] "ہر شخص کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"۔

یہی عقیدہ مسلمانوں کی ناقابل ہزیمت جرأت، ناقابل تسخیر عزیمت اور بے خوف بہادری کا راز ہے۔

غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

کچھ لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھ لیا کہ تقدیر کے قائل مجبور محض ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ نتیجہ بھی اخذ کرلیا کہ انسان کو اپنی تقدیر پر مطمئن یا مایوس ہوکر سست اور غافل بن کر بیٹھے رہنا چاہیے۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو نہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی ضرورت تھی، نہ آسمانی کتابوں کے اترنے کی، نہ تبلیغ وارشاد کی تاکید ہوتی اور نہ اصلاح وہدایت کا حکم ہوتا اور اللہ کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دی جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا، ہزاروں پیغمبر بھیجے گئے۔ کتنی کتابیں اتریں، کروڑوں مبلغ پھیلائے گئے، ہدایت وارشاد کی تاکید پہ تاکید آئی، لوگوں کی دعوت واصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرایا گیا۔ کوشش ومحنت اور سعی وتلاش کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کی جہاد سے عبارت زندگی ہمارے لئے نمونہ ٹھہرائی گئی۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام ؓ نے اپنے کارناموں سے اس نمونہ کی تصدیق اور پیروی کی۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "اعملوا فکل میسر لما خلق" (بخاری: کتاب القدر ۵۰۳/۱۱)

☆ ابوطلحہ انصاری ؓ سے روایت ہے، آپ کہتے ہیں کہ میں نے غزوہ احد میں نظر اٹھا کر دیکھا تو ہر مجاہد اپنی اپنی ڈھال کی اوٹ میں اُونگھ سے جھک رہا تھا، یہی اس آیت کا مفہوم ہے: ﴿ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا﴾ [جامع الترمذی: تفسیر سورۃ آل عمران ۱۲۳/۵ قال ابو عیسیٰ: حسن صحیح] (عبدالوہاب خان)

"لوگو! پوری یقین سے اپنے اپنے کام کئے جاؤ، تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہوں گے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے"۔

﴿ان سعیکم لشتیٰ ۞ فاما من اعطی واتقیٰ ۞ وصدق بالحسنیٰ ۞ فسنیسرہ للیسریٰ ۞ واما من بخل واستغنیٰ ۞ وکذب بالحسنیٰ ۞ فسنیسرہ للعسریٰ ۞ وما یغنی عنہ مالہ اذا تردیٰ ۞ ان علینا للھدیٰ ۞ وان لنا للآخرۃ والاولیٰ ۞﴾ [اللیل: ٤۔ ١٣] "تمہاری کوشش یقیناً مختلف ہے، جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور بھلی باتوں کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور بھلائی کو جھٹلایا تو ہم اسے تنگی کی راہ پر چلنے کی سہولت دینگے۔ اور جب وہ (جہنم کے) گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا، بلا شبہ راہ دکھلانا ہمارے ذمہ ہے، یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ ﷛ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک یہ کہتا ہے "اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کے عوض اور مال دے۔" اور دوسرا کہتا ہے: "اے اللہ! بخل کرنے والے کے مال کو تلف کردے۔"

[بخاری: الزکاۃ ٣/٢٥٧]۔

آیات بالا اور اس حدیث میں جو فرق محسوس ہوتا ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ مذکورہ آیات قضاء وقدر اور سعی وعمل کی باہمی تطبیق کا روشن مینارہ ہیں۔ اسلام سے پہلے باہمی تطبیق کے انتشار نے اکثر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا تھا۔ ☆

کام کرنا اور عمل کر دکھانا انسان کا فرض ہے، اسی کے مطابق اس کی جزا عطا کرنا، جو اس کام کے لئے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ صالحین کو آہستہ آہستہ نیکی کے مزید راستے دکھانے کا نام توفیق ہدایت ہے۔ جبکہ برے لوگوں اللہ کی طرف سے اس توفیق وہدایت کے نہ ملنے کا نام عدم توفیق یا ضلالت ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کا ملنا انسان کی ابتدائی کوشش ہی سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین ۞﴾ [العنکبوت: ٦٩] "اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم یقیناً انہیں اپنی راہیں دکھلا دیتے ہیں۔ اور اللہ یقیناً اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

☆ قضاء وقدر ایک ٹھوس شرعی حقیقت ہے جو کہ ایمان کا اہم رکن ہے، اس کے فوائد بیان ہو چکے ہیں۔ اور سعی وعمل بھی ایک شرعی حکم اور حقیقت ہے، جس کا انسان مکلف ہے۔ دونوں حقائق کی باہمی تطبیق یہ ہے کہ اس ایمان (تقدیر) اور عمل (محنت وکارگزاری) کو اپنے اپنے حدود میں رکھے۔ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے دوسرے کو ترک کرنے کی غلطی نہ کرے۔ عبدالوھاب خان

دیکھئے کتنا واضح بیان ہے! اللہ کی طرف سے توفیق یا ضلالت کا ملنا خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ﴿وما یضل به الا الفاسقین ۞﴾ [البقرة: ۲٦] ''اور ہم اس کے ذریعے گمراہ نہیں کرتے لیکن انہی لوگوں کو، جو حکم نہیں مانتے۔'' دیکھ لیجیے کہ پہلے انسان فسق، عدمِ اطاعت اور نافرمانی کرتا ہے، اس فسق ونافرمانی کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے ضلالت کا ظہور ہوتا ہے۔

اس مسئلے میں مزید تسلی وتشفی کے لیے پڑھیے: ﴿وأن لیس للانسان إلا ما سعی ۞ وأن سعیه سوف یُری ۞﴾ [النجم: ۳۹ - ٤۰] ''اور یہ کہ انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے کوشش کی، اور یہ کہ اس کی کوشش جلد دیکھی جائے گی۔''

اسے یوں سمجھئے کہ بچہ بولنا یا چلنا کیونکر سیکھتا ہے؟ وہ پہلے بولنے اور چلنے کی خود کوشش کرتا ہے، تو اس کے ماں باپ اس کو بولنا اور چلنا سکھاتے ہیں...... بچہ پاؤں اٹھاتا ہے، والدین اس کا ہاتھ پکڑ کر دو چار قدم چلاتے ہیں، اس طرح بچہ رفتہ رفتہ چلنا سیکھ لیتا ہے۔ بولنے کی کوشش میں بچہ پہلے زبان ہلا کر مبہم آوازیں نکالتا ہے...... والدین اس کو بامعنی الفاظ سکھاتے ہیں، اس طرح دونوں کی باہمی کوششیں مل کر ثمر آور ہوتی ہیں۔ بعینہ تقدیرِ الٰہی اور عملِ انسانی باہم مل کر عملی تاریخ ترتیب دیتے ہیں۔

نظریہ جبر وقدر پر بحث:

جیسے ہی ''تقدیر'' کے موضوع پر بحث کا آغاز ہوا لوگ اس کو ''جبر وقدر'' کے دو متضاد تصورات میں لے جاتے ہیں۔ جبر کا نظریہ ہے کہ انسان اپنے عمل میں مجبور محض ہے۔ قدر کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے عمل میں خود مختار ہے۔ ایک طرف تو جبر و قدر والے افراط وتفریط کا شکار ہوئے، جبکہ دوسری طرف کائنات کا [illegible] نہ عقل وخرد کے۔ دنیا کے عام مذاہب کا یہ حال ہے کہ ہر مذہب میں یہ [illegible] دو صورتیں اپنائی گئیں: (۱) سر سے خاموشی (۲) بے پاؤں [illegible]

اسلام کا نظریہ:

ہادیٔ برحق حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں اس راز سے پردہ اٹھایا ہے۔ دراصل یہ دو حقائق ہیں، اور دونوں اپنی اپنی مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا واحد مالک ہے، زمین وآسمان اور ان کے درمیان کوئی چیز ایسی نہیں، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے بغیر حرکت کر سکے۔

(۲) انسان کو اپنے اعمال کے کرنے اور نہ کرنے کا کسی نہ کسی طرح اختیار وارادہ بخشا گیا ہے۔